حکمتِ اقبال
ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

خودی اور سوشلزم

سوشلزم کا فلسفہ

دورِ حاضر کے سب سے زیادہ مقبول اور با اثر اور سب سے زیادہ گمراہ کرنے والے یعنی خودی کو اپنے مقصود سے ہٹانے والے غلط اور ناپائیدار نظریات میں وطنیت کی طرح سوشلزم بھی شامل ہے۔ جس طرح سے نظریۂ وطنیت کا فلسفی اور مبلّغ مکیاولی ہے اُسی طرح سے نظریۂ سوشلزم کا مبلّغ اور فلسفی کارل مارکس ہے۔ مختصر طور پر سوشلزم کا فلسفہ یہ ہے کہ کائنات کی آخری حقیقت مادّہ ہے جو خود بخود ارتقاء کرتا رہا ہے۔ اپنے ارتقاء کے ایک مقام پر اس کے اجزاء کو ایک خاص کیمیاوی ترکیب اور طبیعیاتی ترتیب حاصل ہو گئی جس کی وجہ سے اُس کے اندر زندگی کے آثار نمودار ہوتے۔ پھر زندہ مادّہ ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ انسان ظہور پذیر ہوا۔ پھر انسان کی مادّی ضروریات کی تشفّی کا اہتمام اور نظام ترقی کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ سوشلزم تک پہنچے گا جہاں انسان کی مادّی ضروریات کی تشفّی اور تکمیل کے نظام کو ایک ابتدائی کمال حاصل ہو جائے گا۔ مستقبل کے ارتقاء سے سوشلزم دولت کی مساوی تقسیم کے ایک نظام کی حیثیت سے نہ صرف اندرونی طور پر اپنے پورے کمال کو پہنچے گا بلکہ بیرونی وسعت پاکر پوری دنیا میں پھیل جائے گا۔ دنیا کے تمام فلسفے اور مذاہب اور تمام اخلاقی، علمی، فنی اور سیاسی نظریات اور معتقدات انسان کے معاشی حالات کے عارضی کرشمے ہیں جن کی اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں، کیونکہ دنیا میں روح ہے اور نہ خدا، اور انسان کی زندگی کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ اپنی جسمانی ضروریات کی بہتر سے بہتر تشفّی کرے۔ سوشلزم کے فلسفہ کے اس مختصر خاکہ سے ظاہر ہے کہ وہ ایک معاشی اور

اقتصادی نظریہ ہی نہیں بلکہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہے جو اپنے اندر حرکتِ تاریخ کے مدعا اور مقصود کا ایک فلسفہ بھی رکھتا ہے اور وہ اپنی ان تینوں حیثیتوں سے اسلام کے ساتھ متصادم ہوتا ہے کیونکہ اسلام بھی انسان اور کائنات کا ایک فلسفہ ہے جو اپنے اندر ایک معاشی اور اقتصادی نظریہ ہی نہیں بلکہ حرکتِ تاریخ کے مدعا اور مقصود کا ایک فلسفہ بھی رکھتا ہے جس کی رُو سے اسلام تمام ادیان اور نظریات پر غالب ہو کر رہے گا۔ روس کا موجودہ نظام سوشلزم ہے جس کی اگلی ترقی یافتہ صورت اشتراکیت یا کمیونزم ہوگی، جہاں مارکسیوں کے عقیدہ کے مطابق کسی حکومت کی وساطت کے بغیر دولت ہر شخص کی ضرورت کے مطابق خود بخود مساوی طور پر تقسیم ہوتی رہے گی۔ اگر نظریۂ وطنیت خشت و سنگ کے ایک سلسلہ کو وطن کا نام دے کر خدا کا قائم مقام معبود یا بُت بناتا ہے تو نظریۂ سوشلزم انسان کے جسم کو اقتصادی ضرورتوں کا نام دے کر خدا کا قائم مقام معبود یا بُت بناتا ہے اور انسان کی اصل ضرورتوں کو نظر انداز کرتا ہے بلکہ اُن کی شدید مخالفت کرتا ہے۔

انسان کی حقیقت

اصل انسان انسان کا جسم نہیں بلکہ اُس کی خودی یا رُوح ہے جو جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ انسان کا جسم اصل انسان کے عارضی کنٹرول میں دیا ہوا ایک خدمت گزار حیوان ہے جس سے اصل انسان اس دنیا میں اپنی ضرورتوں کو پُورا کرنے کے لیے کام لیتا ہے۔ جسم کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ کوئی مسافر اپنے گھر تک پہنچنے کے لیے ایک ٹٹو کسی سے عارضی طور پر مانگ لے اور پھر واپس کر دے اور اصل انسان یا خودی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کی محبت کا ایک طاقتور جذبہ ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خودی کی تمام خواہشیں اور آرزوئیں، خواہ براہِ راست اس سے تعلق رکھتی ہوں یا اس کے ٹٹو سے، صرف ایک جذبہ کے ماتحت رہتی ہیں اور اسی کی خاطر بروئے کار آتی ہیں اور اُس کے تمام ارادے اور فیصلے اور تمام اعمال و افعال بھی اسی ایک جذبہ کی تشفی کے لیے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ خودی جب بھی اپنے کسی عمل سے حرکت کرتی ہے تو جمالِ خداوندی سے اور قریب ہونے اور اس سے اور زیادہ مستفید اور متمتع ہونے کے لیے حرکت کرتی ہے یا وہ حرکت کرتی ہی نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی اس کا خدا فی الواقع سچا خدا ہوتا ہے اور کبھی وہ جہالت کی وجہ سے غیر خدا کو سچا خدا سمجھ لیتی ہے اور غلط طور پر خدا کی ساری صفات اس کی طرف منسوب کر دیتی ہے۔ خدا کی محبت کے جذبہ کی

تشفی خودی کی سب سے پہلی اور سب سے آخری ضرورت ہے اور خودی کی باقی تمام ضرورتیں فقط یہ اہمیت رکھتی ہیں کہ وہ اس ضرورت کے ماتحت اُس کی خدمت گزار ہیں۔ ان ماتحت ضرورتوں میں جسم کے قیام اور بقا کی ضرورت بھی شامل ہے، تاکہ یہ حیوان جو اصل انسان یا خودی کی سواری ہے زندہ اور تندرست و توانا رہے اور ایک ضروری عرصہ کے لیے خودی کے کام آتا رہے لیکن اگر کسی وقت ایسی صورت حال پیش آجائے کہ جسم کی حفاظت یا پرورش خودی کی ضرورت کے منافی ہو تو اس وقت خودی جسم کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر قربان کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جسم کو ترک کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اگر جسم کی ضرورت انسان کے نصب العین کا ذریعہ نہ رہے بلکہ خود نصب العین بن جائے تو وہ خود خدا کا مقام لیتی ہے اور ایک بُت یا جھوٹا معبود یا خدا بن جاتی ہے اور انسان کی اصل ضرورت کو بھلا دیتی ہے اور انسان ناکام اور نامراد رہ جاتا ہے۔

سوشلزم کی خرابی

سوشلزم کی خرابی یہ ہے کہ وہ اصل انسان یا خودی کی ضرورت یعنی خدا کی محبّت کو نظر انداز کر کے اس کی سواری کی ضرورت یعنی جسم کے قیام اور بقا کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ٹٹو پر سوار ہو کر گھر جانے والا مسافر راستہ میں ٹٹو پر ہی مر مٹے اور سفر کر کے جلد از جلد گھر پہنچنے کی بجائے اسی کی خاطر مدارات کرنے اور اسی کو فربہ کرنے میں لگا رہے اور اپنی منزل کو بھول جائے یہاں تک کہ شام ہو جائے اور پھر چور اس کا سامان لوٹ لیں اور اُسے قتل کر جائیں۔ اقبال کا استاد رومیؔ جسم کی ضرورت کے لیے خودی کی ضرورت کو نظر انداز کرنے والے ایسے ہی کوتاہ نظر انسان کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی زمین میں اپنا گھر نہ بناؤ کہ وہاں سے بیدخل کیے جاؤ گے اور کسی بیگانے کا کام نہ کرو بلکہ اپنا کام کرو۔ اور یہ بیگانہ کون ہے؟ یہی تمہارا خاکی جسم جس کے غم میں دن رات گھلتے رہتے ہو۔

در زمینِ مرداں خانہ مکن　　کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن
کیست بیگانہ تنِ خاکیِ تو　　کز برائے اوست غمناکیِ تو

قدرت کی رہنمائی

اگرچہ خدا کی محبت کا جذبہ جو خودی کی فطرت ہے نہایت طاقتور ہے تاہم خودی اس کے متعلق صرف اتنا ہی جانتی ہے کہ وہ کسی ایسے محبوب کے لیے ہے جو منتہائے حسن و کمال ہے لیکن واضح طور پر نہیں جانتی کہ وہ محبوب درحقیقت کون ہے۔ لہٰذا امکان تھا کہ خودی اس فطری جذبہ کے اصل مقصود کو سمجھنے اور اس کی تشفی کرنے میں اپنے کسی قصور کے بغیر اور محض قدرت کی راہ نمائی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں کرتی اور ٹھوکریں کھاتی رہتی لیکن قدرت کبھی اس قسم کی صورت حال پیدا ہونے نہیں دیتی۔ چنانچہ وہ کائنات میں کسی جاندار کی کوئی ضرورت ایسی پیدا نہیں کرتی جس کی تشفی کا اہتمام خود نہ کرے اور خودی کا جذبۂ محبت اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا تھا۔ اور پھر یہ جذبہ عبث پیدا نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کی صحیح اور پوری تشفی کائنات کے سارے بعد کے ارتقاء کا ذریعہ بننے والی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ قدرت اپنے ہی پیدا کیے ہوتے اس نہایت اہم جذبۂ محبت کی راہ نمائی خود کرتی۔ اور قدرت نے اس جذبہ کی راہ نمائی کا جو اہتمام کیا ہے اسی کو ہم مظہرِ نبوت کا نام دیتے ہیں۔ خودی کے حقائق کی تعلیم ہمیں سب سے پہلے نبوت ہی سے ملتی ہے۔ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو خودی کے جذبۂ محبت کی صحیح راہ نمائی کے لیے بھیجا اور آخر کار اس نے انبیاء کے سلسلہ کو ایک رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ختم کر دیا۔ ان پر قرآن حکیم نازل کیا اور ان کی نظری تعلیم اور عملی زندگی کی مثال میں انبیاء کی اس راہ نمائی کو مکمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال بڑے زور سے اس بات کا مدعی ہے کہ اس کے فلسفہ خودی کا اصل منبع قرآن حکیم ہے بلکہ قرآن کے سوائے اس کا کوئی اور منبع نہیں۔ اقبال جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اگر میرے الفاظ میں قرآن کی تعلیم کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے اور اگر میرے دل میں خدا کی محبت نہیں تو روزِ محشر اپنے پاؤں کے بوسہ سے محروم کر کے مجھے خوار و رسوا کر دیجیے۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

لہٰذا یہ دیکھنے کے لیے کہ سوشلزم ایسا ایک نظریۂ حیات خودی کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے اور خودی پر کس طرح سے اثر انداز ہوتا ہے ہمیں اقبال کے فلسفہ خودی کے اصل منبع یعنی قرآنِ حکیم

کی تعلیمات کو بھی مدِّنظر رکھنا پڑے گا۔

انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم

خدا کے انبیاء نے انسانوں سے کہا کہ اپنے جذبۂ محبت کی تشفی کے لیے ضروری ہے کہ تم قدرت کا مشاہدہ کرو اور خدا کی صفات کو مظاہرِ قدرت میں دیکھو اور عبادت اور ذکر کے ذریعہ سے خدا کی صفات کے حسن و کمال پر غور کرو۔ لیکن ایسا کرنا کافی نہیں۔ خدا کی محبّت کے جذبہ کی مکمل تشفّی اور خودی کی مکمل تربیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تم خدا کی صفات کو اپنے اعمال میں ظاہر کر کے خدا کے اخلاق کے ساتھ متخلّق ہو جاؤ۔ وہ رحیم ہے' تم بھی لوگوں پر رحم کرو۔ وہ کریم ہے' تم بھی کرم کرو۔ وہ عادل ہے' تم بھی عدل کرو۔ لوگوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، لوگوں کا حق نہ مارو' اُن کا مال غلط طریقوں سے نہ کھاؤ اور مزدور کی محنت کا معاوضہ بلا توقف ادا کرو۔ وہ صادق ہے' تم بھی صدق کو اپنا شعار بناؤ۔ وہ غفور ہے' تم بھی لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرو۔ وہ حفیظ ہے' تم بھی لوگوں کی حفاظت کا ذمّہ لو۔ وہ لوگوں کی حاجتوں کو پُورا کرتا ہے' تم بھی لوگوں کی حاجتوں کو پُورا کرو۔ وہ رزاق ہے اور ہر انسان کے جسم کو زندہ اور تندرست اور توانا رکھنے کے لیے اس کو رزق بہم پہنچاتا ہے' تم بھی اپنے رزق میں سے لوگوں کو رزق دو اور اُن کے جسموں کو زندہ اور تندرست اور توانا رکھنے کی کوشش کرو۔ وہ شافی ہے اور لوگوں کی بیماریوں کو دُور کرتا ہے' تم بھی بیماروں کی تیمار داری اور علاج اور حفظانِ صحت کے اصُولوں کی تعلیم اور تلقین سے بیماریوں کو دُور کرو۔ وہ ہادی ہے اور انسان کی خودی کو زندہ اور تندرست و توانا رکھنے کے لیے انبیاء بھیج کر اپنی ہدایت اُن تک پہنچاتا ہے' تم بھی اس غرض کے لیے خدا کے انبیاءؑ کی دی ہوئی ہدایت لوگوں تک پہنچاؤ۔ وغیرہ

تربیتِ خودی کے زرّیں مواقع

مومن اپنی خودی کی تربیت اور ترقّی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ جب گرد و پیش کے حالات خدا کی صفاتِ ربوبیت' رزّاقیت اور عدل کے اظہار کا تقاضا کر رہے ہوں تو ایسے حالات میں مومن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُن صفات کا اظہار کرے۔ ورنہ تخلّق باخلاقِ اللہ کے کئی امکانات اور

خودی کی تربیت اور ترقّی کے کئی زرّیں مواقع اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور وہ مومن کے مقام سے گر جاتا ہے اور خدا کی اس سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے جو اس نے خودی کی ضروریات کی طرف سے غفلت کے اندر رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کے کھائے اور اُسے معلوم ہو کہ اُس کے پاس ہی اُس کا ہمسایہ بھوکا ہے۔ (لیس بمؤمن من یشبع وجارہ جائع مع جنبہ ——— الحدیث) جب اہلِ دوزخ سے پوچھا جائے گا کہ کونسا جُرم تم کو دوزخ میں لے آیا ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور (یہ جاننے کے باوجود کہ بعض مساکین کھانے کے لیے محتاج ہیں) مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ (المدثر: ۴۳، ۴۴) چونکہ مومن خدا کی صفاتِ ربوبیت و رزاقیت سے اپنی خودی کی تربیت کی خاطر حصّہ لینا چاہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال میں اس شخص کا بھی حق ہے جو اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے سوال کرنے پر مجبور ہوا ہے اور اُس شخص کا بھی جو حفظِ وضع کے خیال سے سوال تو نہیں کرتا لیکن ضروریاتِ زندگی کے سامان سے محروم ہے: وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (الذاریات: ۱۹) مومن کی اس ضرورت کی وجہ سے یہ حکم ہوا تھا کہ فے کے مال کو اس طرح سے تقسیم کرو کہ وہ تمہارے دولت مندوں میں ہی گھومتا نہ رہے بلکہ مفلسوں تک بھی پہنچے: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر: ۷)

ایک غلط فہمی اور اس کے اسباب

چونکہ نبوّت کی تعلیم خدا کی محبت کے جذبہ کو مطمئن کرنے اور خدا کے اخلاق کو اپنانے کے مختلف ذرائع میں سے ایک ذریعہ کے طور پر لوگوں کو کھانا کھلانے اور لوگوں میں مال اور رزق تقسیم کرنے پر زور دیتی ہے۔ اس سے بعض مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ نبوّت کی تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ خدا کے خوف یا خدا کی محبّت کا واسطہ دے کر مفلسوں کی مالی اور اقتصادی ضروریات کا اہتمام کرے تاکہ افلاس دُور ہو۔ گویا اُن کا خیال ہے کہ نبوّت بھی وہی بات کہتی ہے جو سوشلزم کہتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ نبوّت خدا کا نام لیتی ہے اور سوشلزم خدا کا منکر ہے۔ لیکن خدا کا نام لینے سے عملی طور پر جو فائدہ متصوّر ہے یا جو مقصد زیرِ نظر ہے وہ یہی ہے کہ خدا کے بندوں کی معاشی ضرورتوں کو پورا کیا جائے

اور یہ مقصد سوشلزم نہایت عمدہ طریق سے پورا کر رہا ہے بلکہ (معاذ اللہ) جو کام نبوّت نہ کر سکی تھی سوشلزم نے کر دکھایا ہے۔ لہٰذا ہمیں سوشلزم کو قبول کر لینا چاہیئے تاکہ نبوّت کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح سے پورا ہو لیکن چونکہ ہم مسلمان ہیں ہمیں خدا کا نام یا اسلام بھی ساتھ رکھ لینا چاہیے تعلیمِ نبوّت کی اس بے سرو پا جسمانی، مادی یا منفعتی توجیہہ کے اسباب حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ سوشلزم سے مرعوبیت ۔

۲۔ دَورِ حاضر کی علمی اور اخلاقی بے خدائیت ۔

۳۔ تعلیمِ نبوّت کے اسرار اور خودی کی فطرت کے حقائق سے ناواقفیت ۔

اصل بات یہ ہے کہ نبوّت جسم کی ضرورت کا نہیں بلکہ خودی یا روح کی ضرورت کا اہتمام کرتی ہے اور اگر جسم کی ضرورت کا اہتمام بھی کرتی ہے تو صرف اس خیال سے اور اس حد تک کہ جسم زندہ رہ کر بدستور خودی کی ضرورت کا ممدّ و معاون بنا رہے ۔ اس کے نزدیک جسم خودی کے لیے ہے نہ خودی جسم کے لیے نہیں

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہرِ خوردن است

نبوّت کے نزدیک اس دنیا کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان اسے خدا کی محبت کی نشوونما کے لیے کام میں لائے، نہ کہ اس دنیا کو اپنے رہنے کا ایک مستقل مقام سمجھ کر عیش و عشرت میں لگ جائے ۔

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ جہاں
نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لیے (اقبال)